سیّد جعفر شاہ پھلواروی

اسلامی قانونِ وراثت

عائلی کمیشن کی رپورٹ میں یتیم پوتے کو حصہ دلوانے کی سفارش کی گئی تھی۔ سوالنامے میں اس سوال کے متضاد جواب آئے تھے اور دونوں طرف دلائل دئے گئے تھے۔ ہم نے صرف اسی ایک جزئی مسئلے پر غور کرنے کی بجائے پورے قانونِ وراثت پر غور کیا تو علمائے فرائض کی بیان کردہ تصریحات و تعبیرات میں کئی جگہ شکوک پیدا ہوئے۔ اس لئے مناسب معلوم ہُوا کہ اس پورے مسئلہ وراثت پر اپنا فہم پیش کر دیا جائے۔ جو لوگ سنجیدگی سے ہماری غلطیوں سے آگاہ کریں گے ہم ان کے شکرگزار ہوں گے۔

۱۔ یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔

اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے متعلق یہ وصیّت فرماتا ہے کہ مرد کے لئے دو عورتوں کے حصّے کے برابر ہے۔

۲۔ فان کن نساءً فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک ج

لیکن اگر (ورثہ) عورتیں (بیٹیاں) ہی ہوں تو ان کے لئے ترکے کی دو تہائی ہے (یعنی ⅔)

۳۔ وان کانت واحدۃ فلھا النصف۔

اور اگر ایک ہی (بیٹی) ہو تو اس کے لئے نصف (یعنی ½) ہے۔

۴۔ ولابویہ لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولد۔

اور میّت کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا (⅙) ترکہ ہے بشرطیکہ میّت کے کوئی اولاد بھی ہو۔

۵۔ فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث ج

لیکن اگر میّت کی کوئی اولاد نہ ہو اور وارث صرف والدین ہوں تو ماں کے لئے تیسرا (⅓) ہے۔

۶۔ فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین ط اباؤکم وابناؤکم لا تدرون ایھم اقرب لکم نفعا فریضۃ من اللہ ان اللہ کان علیما حکیما ہ

لیکن اگر (والدین کے ساتھ) کوئی بہن بھائی بھی ہو تو ماں کے لئے چھٹا (⅙) ہے وصیّت یا قرض ادا کرنے کے بعد

۷۔ ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد ج

اور تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑیں تمہارے لئے اس کا آدھا (½) ہے بشرطیکہ ان کے کوئی اولاد نہ ہو۔

۸۔ فان کان لھن ولد فلکم الربع مما ترکن من بعد وصیۃ یوصین بھا او دین۔
لیکن اگر ان بیویوں کے کوئی اولاد بھی ہو تو تمہارے لئے ان کے ترکے کی چوتھائی ($\frac{1}{4}$) ہے۔
۹۔ ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد ج
اور بیویوں کے لئے تمہارے ترکے کی چوتھائی ($\frac{1}{4}$) ہے بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد نہ ہو۔
۱۰۔ فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم من بعد وصیۃ توصون بھا او دین۔
لیکن اگر تمہاری کوئی اولاد بھی ہو تو ان (بیویوں) کے لئے تمہارے ترکے میں آٹھواں ($\frac{1}{8}$) ہے۔
۱۱۔ وان کان رجل یورث کللۃ او امراۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منھما السدس۔
اور اگر مورث (میت) خواہ وہ مرد ہو یا عورت کلالہ (لاولد) ہو اور اس کے (وارث) ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو انہیں سے ہر ایک کے لئے چھٹا ($\frac{1}{6}$) ہے (بشرطیکہ والدین یا صرف باپ موجود ہوں)
۱۲۔ فان کانوا اکثر من ذلک فھم شرکاء فی الثلث من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین غیر مضار وصیۃ من اللہ واللہ علیم حلیم۔
لیکن اگر (بھائی یا بہن) اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی ($\frac{1}{3}$) میں شریک ہونگے......
۱۳۔ یستفتونک ط قل اللہ یفتیکم فی الکللۃ ان امرؤ ھلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ما ترک۔
اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو۔ اور صرف ایک بہن ہو تو اس کے لئے ترکے کا نصف ($\frac{1}{2}$) ہے (بشرطیکہ ماں باپ نہ ہوں)
۱۴۔ وھو یرثھا ان لم یکن لھا ولد۔
اور بھائی اپنی بہن کا کلی وارث ہوگا اگر اس بہن کے کوئی اولاد نہ ہو (بشرطیکہ ماں یا باپ بھی نہ ہو)
۱۵۔ فانتا اثنتین فلھما الثلثن مما ترک ہ
لیکن اگر (میت کی بہنیں) دو ہوں تو ان کے لئے ترکے میں دو تہائی ($\frac{2}{3}$) ہے۔
۱۶۔ وان کانوا اخوۃ رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین یبین اللہ لکم ان تضلوا واللہ بکل شئ علیم۔
اور اگر وارث بھائی بہن (دونوں) ہوں تو مرد کے لئے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔

یہ کل تین آیات ہیں جن کے کوزے میں اصولِ وراثت کا پورا سمندر سمو دیا ہے۔ آئیتں تو تین ہیں لیکن احکام کے لحاظ سے اس کے سولہ ٹکڑے جن پر ہم نے نمبر درج کردئیے ہیں۔ حوالہ دیتے وقت جب ہم آیہ نمبر فلاں کہیں تو اس سے ان ہی ٹکڑوں کے نمبر سمجھئے۔ ہم نے سہولت کے لئے ایسا کیا ہے۔ ورنہ دراصل آیت وہی ہے جو قرآنی آیت ہے۔

کچھ ضروری باتیں ۔ قرآنی قانونِ وراثت کو سمجھنے کے لئے چند باتیں پیشِ نظر رکھئے :۔

(الف) قرآن نے جن لوگوں کے حصّے مقرر فرمادیئے ہیں ۔ ان کو ذوی الفروض یا اصحاب فرائض کہتے ہیں اور اصحابِ فرض سے بچا ہؤا جن لوگوں کو ملتا ہے ان کو عَصَبَہ کہتے ہیں ۔

(ب) عصَبَہ کی حیثیت میزبان جیسی ہوتی ہے اور اصحابِ فرض مہمان ہوتے ہیں ۔ اگر مہمان کوئی نہ ہو تو میزبان سارا کھالے گا ۔ اور اگر مہمان ہوں تو پہلے ان کو کھلائے گا ۔ جو بچے گا خود کھائے گا اور اگر کچھ نہ بچے تو بھی شکر ادا کرے گا غرض ترکۂ میّت کا اصلی مالک میزبان ہی ہے ۔ اور اسی میں سے اللہ تعالےٰ نے مہمانوں (اصحابِ فرائض) کے حصّے معین فرمادیئے ہیں ۔ یہ حصّے مختلف حالتوں میں مختلف ہوتے ہیں ۔

(ج) قرآن نے بعض حق داروں کا ذکر تو کیا ہے ۔ لیکن اسی جگہ ان کے حصّے نہیں بیان کئے جس کی تین وجہیں ہیں

۱۔ یا تو اشارۃ النص سے ان کا حصّہ صاف نکل آتا ہے ۔ مثلاً بیٹے کا جب کہ اور کوئی دوسرا وارث نہ ہو کوئی حصّہ نہیں بتاتا مگر آیہ ۱۲ اور آیہ ۱۱ کو ملا لیجئے تو اس کا حصّہ صاف نکل آتا ہے ۔ یعنی ایک بیٹی کا حصّہ نصف ($\frac{1}{2}$) ہے اور مرد کا حصّہ عورت کا دُگنا ہوتا ہے ۔ لہٰذا بیٹے کا حصّہ کُل ترکہ ہؤا ۔

۲۔ یا ان حق داروں کا حصّہ اوپر بیان ہو چکا ہوتا ہے ۔ مثلاً آیہ ۱۲ والدین کا حصّہ بتایا گیا ہے لیکن اولاد کا ذکر ہونے کے باوجود اولاد کا حصّہ اس لئے نہیں بتایا گیا ہے ۔ کہ اوپر کی تینوں آیات میں اولاد کے حصّوں کا ذکر ہو چکا ہے ۔

۳۔ یا ان کے حصّوں کا ذکر آگے آنے والا ہوتا ہے ۔ مثلاً ۱۲ میں اخوہ (بھائی بہن) کا ذکر ہے ۔ لیکن ان کا حصّہ اس لئے نہیں بتایا گیا کہ آگے آیات ۱۱ سے ۱۶ تک ان ہی کے حصّوں کا ذکر ہے ۔

(د) نسبی ورثاء میں اصلی عصبات مرد ہوتے ہیں اور اصحابِ فرائض عورتیں ۔ لیکن بعض اوقات بعض اصحاب فرض بھی عصَبَہ کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں ۔ مثلاً بیٹیاں اور بہنیں ہوں تو بہنیں عصبہ بن کر باقی حصّہ لے لیتی ہیں ۔

(ھ) عصبہ دو طرح کے ہوتے ہیں کلّی اور جزئی ۔ ہم جہاں کلّی کہیں وہاں اس سے وہ عصبہ مراد ہوں گے جو اپنا معیّن حصّہ نہیں پاتے بلکہ دوسروں کی طرح حصّے دار ہوتے ہیں ۔ مثلاً دو بیٹیوں کا حصّہ دو تہائی ($\frac{2}{3}$) ہوتا ہے (اصحابِ فرض ہونے کی حیثیت سے) لیکن اگر ساتھ ایک بیٹا بھی ہو تو (ہر بیٹی عصبہ ہو جائے گی ، اور) ترکہ چار حصّوں میں تقسیم ہوگا ۔ اور ہر بیٹی کو کل ترکے کا چوتھائی ($\frac{1}{4}$) ملے گا ۔ یوں سمجھئے کہ اگر بارہ سو روپے ہوں ، اور بیٹیاں صرف دو ہوں تو ہر ایک کو چار چار سو روپے ملیں گے ۔ لیکن اگر ایک بیٹا بھی ساتھ ہو تو یہ روپے چار حصّوں میں تقسیم ہوں گے اور ہر بیٹی کو (بحیثیت عصبہ کلّی ہونے کے) تین تین سَو ملیں گے ۔ اس صورت میں بیٹی عَصَبَہ تو ہے ۔ لیکن بچا ہُوا مال نہیں لیتی ۔ بلکہ کل مال میں شریک ہوتی ہے ۔ لہٰذا عصَبَہ کلّی ہوئی ۔ جہاں ہم عصبہ جزئی بولیں وہاں اس سے وہ مراد ہوگا جو تقسیم میں شریک نہیں ہوتا بلکہ دوسرے حق داروں کو دے کر جو کچھ بچتا ہے وہی لیتا ہے ۔ مثلاً دو لڑکیاں (یا دو پوتیاں) ہوں اور ایک (یا زیادہ)

بہن ہو تو لڑکیوں کو صاحبِ فرض ہونے کی حیثیت سے دو تہائی (⅔) ملے گی اور بہن (یا بہنیں) بحیثیت عصبہ کے باقی ایک تہائی (⅓) لیں گی۔ اسی طرح ایک لڑکی اور ایک ایک بھائی بہن ہوں تو لڑکی کو نصف (½) اور بھائی کو ثلث (⅓) اور بہن کو سدس (⅙) ملے گا۔

(و) بعض لوگوں کی دونوں حیثیتیں بھی ہوتی ہیں۔ یعنی ایک جہت سے وہ صاحبِ فرض ہوتے ہیں اور دوسری حیثیت سے عصبہ ہوتے ہیں اور اپنی ان دونوں حیثیتوں سے حصّہ لیتے ہیں۔ مثلاً ورثہ میں باپ اور ایک بیٹی ہے تو بیٹی کو آدھا (½) ملے گا۔ اور باقی نصف میں چھٹا (⅙) تو باپ صاحبِ فرض ہونے کی حیثیت سے لے گا اور باقی (یعنی ⅓) عصبہ ہونے کی جہت سے لے گا۔

(ز) نسبی ورثاء میں سب سے زیادہ حقدار اولاد پھر والدین پھر اطراف (بھائی بہن) ہیں اور سببی میں زوجین۔

(ح) قریب وارث کی موجودگی بعید وارث پر اور بعید کی موجودگی قریب پر اثر انداز ہوتی ہے۔ خواہ محروم کرکے ہو، یا منقوص کرکے۔ ہم محروم کا لفظ اس کے لئے بولیں گے جسے کچھ بھی نہ ملے اور منقوص سے مراد وہ ہوگا جو محروم تو نہ ہو مگر اس کے حصّے میں کمی آجائے۔

(ط) اگر اولاد اور والدین نہ ہوں تو اطراف کی حیثیت بالکل اولاد جیسی ہوگی۔ فرض کیجئے ایک مرنے والے کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے تو مطابق آیہ ۴/۱۱ دو تہائی (⅔) بیٹے کو اور ایک تہائی بیٹی کو ملے گی۔ اور اگر وارث صرف ایک بھائی اور ایک بہن ہو تو (مطابق آیہ ۴/۱۷۶) ان کا بھی یہی حصّہ ہوگا۔

(ی) یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اولاد کی موجودگی میں جو پوزیشن والدین کی ہوتی ہے۔ وہی پوزیشن والدین کی موجودگی میں بھائی بہن کی ہوگی اسے ذہن میں رکھئے۔

(ک) للذکر مثل حظ الانثیین کا اصول صرف اولاد میں نہیں بلکہ ہر جگہ مرد و عورت میں کارفرما ہے والدین میں بھی اطراف (بھائی بہن) میں بھی حتیٰ کہ (مطابق آیہ ۴/۱۱ تا ۱۲) زوجین میں بھی۔[۵۱]

(ل) آیہ ۴/۱۷۶ میں جو اخوۃ رجالاً ونساءً فللذکر مثل حظ الانثیین ہے۔ وہاں اخوۃ سے یہ مقصد نہیں کہ لازماً دو دو بھائی بہن ہوں۔ اگر ایک بھائی اور ایک بہن ہو جب بھی للذکر مثل حظ الانثیین کا حکم اسی طرح باقی رہے گا۔ اخوۃ جمع کا صیغہ ہے لیکن اس کی جمعیت ایسی ہی ہے جیسے حُرّمت علیکم امھٰتکم وبنٰتکم واخواتکم میں سارے صیغے جمع کے ہیں۔ لیکن ایک ام (ماں)، ایک بنت (بیٹی) اور ایک اخت (بہن)، کا بھی وہی حکم ہے جو بہت سی امہات و بنات و اخوات کا ہے۔ حدیث "اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ"[۵۲] میں بھی سب کے

[۵۱] ایسا کیوں ہے اس کی وجہ آخر میں درج ہے۔

[۵۲] یعنی بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بنالیا کرو۔

نزدیک اخوۃ اور بنات کی جمعیت جنس کے لئے ہے پس آیہ ۱۶ میں جو اخوۃ ہے اس میں بھی کم از کم دو کی قید[1]
خلاف محاورۂ عرب ہے۔ اگر کم از کم دو کی قید ضروری ہوتی تو فان کن نساء فوق اثنتین (آیہ ۲) اور فان کانتا
اثنتین (آیہ ۱۵) کی طرح یہاں بھی اثنتین یا فوق اثنتین کی قید ہوتی۔ اسے بھی اچھی طرح ذہن میں رکھئے۔

کچھ پیش کردہ خاکے کے متعلق۔ اب قرآنی تقسیم کا خاکہ ملاحظہ فرمائیے اور آیات کے پیش کردہ نمبروں سے مضمون کو مطابق کرتے جائیے۔ یہ خاکہ حتی الامکان اس طرح بنایا گیا ہے کہ آیات کی قرآنی ترتیب قائم رہے۔ یعنی پہلے آیہ ۱ پھر ۲ پھر ۳ وَلَھُمْ جَزَآ ءً سببی ورثہ یعنی زوجین کا خاکہ الگ بنانے کی وجہ سے آیہ ۷ تا ۱۰ کی ترتیب الگ کرنی پڑی ہے۔ اور دوسری جگہ ۱۳ کے بعد مجبوراً ۱۵ ہے۔ اس کے بعد ۱۴ آیا ہے۔ اگر آپ اس خاکہ کو شروع سے پڑھیں تو پوری عبارت متعلقہ آیات کا تشریحی ترجمہ معلوم ہوگی۔ خاکے کے چار حصے ہیں۔ پہلا اولاد کا۔ دوسرا والدین کا۔ تیسرا اطراف یعنی بھائی بہن کا اور چوتھا زوجین کا۔

ایک اور ضروری بات بھی قابل ذکر ہے کہ اصلی نسبی وارث وہی ہیں جو قرآن میں بالترتیب مذکور ہیں یعنی اولاد والدین اور اطراف۔ ہم نے خاکے بھی انہی کے دئیے ہیں۔ فطری ترتیب بھی یہی ہے۔ ان کے رہتے ہوئے کوئی بعید شخص وارث نہیں ہوسکتا۔ اب رہے دوسرے ورثہ مثلاً اولاد کی اولاد یعنی پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں (وَاِنْ سَفُلَ) یا والدین کے والدین یعنی دادا، دادی۔ نانا، نانی (وَاِنْ عَلَا) یا اوپر کے اطراف یعنی دادا، پڑدادا (وان علا) کی اولاد یا اطرافِ قریب کی اولاد یعنی بھتیجے بھتیجیاں اور بھانجے بھانجیاں (وان سفل) یا اطراف میں حقیقی کے سوا پدری (علاتی) و مادری (اخیافی) اطراف وغیرہم تو ان سبھوں کا کوئی حصہ قرآن میں معین نہیں۔ ان کے لئے قیاس صحیح مطلوب ہے اور وہ موجود ہے یعنی الاقرب فالاقرب۔ اور ان کی بیش بہا رہنمائی روایات اور قیاس صحابہ و ائمہ سے ہوتی ہے جن کے اختلافات قرآنی روشنی سے بآسانی دور ہوسکتے ہیں۔ الاقرب فالاقرب کا اصول یوں سمجھئے کہ اگر فرزند نہ ہوں تو پوتے اس کی جگہ لیں گے۔ بیٹیاں نہ ہوں تو پوتیاں وہی حصہ لیں گی۔ باپ نہ ہو تو دادا اُس کی جگہ آجائے گا۔ اطراف (دوسرے لفظوں میں والدین کی اولاد) نہ ہوں تو دادا کی اولاد یعنی چچا یا ان کے فرزند اُن کی جگہ لے لیں گے۔ عینی (حقیقی) بھائی بہن نہ ہوں تو علاتی (پدری)۔ وہ بھی نہ ہوں تو اخیافی (مادری) بھائی بہن ان کے قائم مقام ہوں گے۔ وقس علیٰ ذالك البواقی۔

ہماری مختلف راہ۔ پیش کردہ خاکوں میں پانچ مقامات ہیں جہاں ہم نے عام علمائے فرائض سے اختلاف کیا ہے:

---

[1] جیسا کہ عام علمائے فرائض کہتے ہیں۔

ایک اخوہ کے معنی۔

دوسرے اِخوَہ کا حصّہ۔

تیسرے آیہ ۱۱ کی تفسیر۔

چوتھے کلالہ کے معنی۔

پانچویں فہم شرکاء فی الثلث (آیہ ۱۲) کی تفسیر۔ ان کی تفصیل خاکہ کے آخر میں آئے گی۔ اب خاکہ ملاحظہ فرمائیں :

۱۔ میّت کے وارثوں میں اگر صرف اولاد ہے تو

اگر بیٹے بیٹی دونوں ہوں تو مرد کو دو عورتوں کے برابر (آیہ ۱)

اور اگر صرف بیٹی ہو تو دو یا زیادہ ہوں تو ان کو ۲/۳ (آیہ ۲)

اور صرف ایک ہو تو اسے ۱/۲ (آیہ ۳)

اور صرف بیٹا ہو تو کل ترکہ (آیہ ۳ + ۱)

۲۔ اگر وارث میّت کے اصول یعنی باپ یا ماں ہوں تو

اگر میّت کی اولاد بھی ہو تو ماں باپ میں ہر ایک کو ۱/۶ (آیہ ۴)

اور اگر میّت کی کوئی اولاد نہ ہو تو اگر اخوہ یعنی بھائی یا بہن نہ ہو تو ماں کو ۱/۳ (آیہ ۵)

اور باپ کو ۲/۳ (آیہ ۵ + ۱)

اور اخوہ بھی ہوں تو ماں کو ۱/۶ (آیہ ۶)

اور باپ کو ۱/۳ (آیہ ۶ + ۱)

۳۔ اگر وارث میّت کے اطراف یعنی بھائی بہن ہوں تو

اگر باپ یا ماں بھی ہو تو اگر بھائی یا بہن صرف ایک ہو تو ہر ایک کو ۱/۶ (آیہ ۱۱)

اور اگر زیادہ ہوں تو سب کو ۱/۳ (آیہ ۱۲)

اور اگر باپ یا ماں نہ ہو تو اگر صرف بہن ہو تو اگر ایک ہو تو ۱/۲ (آیہ ۱۳)

اور اگر زیادہ ہوں تو سب کو ۲/۳ (آیہ ۱۵)

اور اگر فقط بھائی ہو تو کل ترکہ (آیہ ۱۴)

اور اگر بھائی بہن دونوں ہوں تو مرد کو دو عورتوں کے برابر (آیہ ۱۶)

۴۔ اگر میّت کا زوج

خاوند ہو تو اگر لاولد مرحومہ کا خاوند ہو تو $\frac{1}{2}$ (آیہ ۷)
اور اگر اولاد والی مرحومہ کا خاوند ہو تو $\frac{1}{4}$ (آیہ ۸)
اور بیوی بیوی ہو تو اگر لاولد خاوند کی بیوی ہو تو $\frac{1}{4}$ (آیہ ۹)
اور اگر اولاد والے خاوند کی بیوی ہو تو $\frac{1}{8}$ (آیہ ۱۰)

علمائے فرائض سے ہمارا اختلاف ۔ اگر آپ پیش کردہ خاکوں پر نظر ڈالیں تو آپ کو پانچ مقامات ایسے ملیں گے۔ جہاں عام علمائے فرائض سے مختلف راہ اختیار کی گئی ہے :

(۱) اخوہ کے معنی عام طور پر "کم از کم دو بھائی" لئے گئے ہیں۔ لیکن ہمارے خیال میں یہ صحیح نہیں جیسا کہ ہم (ل) میں بیان کرچکے ہیں یہاں اعادے کی ضرورت نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک بھائی بلکہ ایک بہن پر بھی اخوہ کا اطلاق ہو (ل) کو پھر دیکھ لیجئے۔

(۲) اگر ورثہ میں والدین اور دو بھائی ہوں تو علمائے فرائض کے نزدیک تقسیم یوں ہو گی :

ماں کو $\frac{1}{6}$ باپ کو $\frac{5}{6}$ اور دونوں حقیقی بھائی محروم ہوں گے۔

گویا دو بھائیوں کا وجود محض اس لئے ہے کہ ماں کے $\frac{1}{3}$ کو نصف یعنی $\frac{1}{6}$ کر دینگے۔ لیکن خود کچھ نہیں پائیں گے بلکہ ماں کو نقصان پہنچا کر باپ کو فائدہ پہنچائیں گے۔ یا یوں کہئے کہ باپ کا وجود بھائیوں کو محروم کر دے گا اور یہ دونوں بھائی مل کر ماں کو منقوص کر دیں گے۔ یعنی باپ پر تو ان کا قابو چل نہ سکا لہٰذا اپنی محرومی کا بدلہ ماں کو نقصان اور باپ کو فائدہ پہنچا کر لیں گے ۔ ہمارے نزدیک یہ تقسیم درست نہیں۔ صحیح تقسیم یوں ہوں گی:

ماں کو $\frac{1}{6}$ (مطابق آیہ ۶) دونوں بھائیوں کو $\frac{1}{3}$ (مطابق آیہ ۱۲) اور باپ کو باقی $\frac{1}{2}$ (جس میں $\frac{1}{6}$ تو مطابق آیہ ۱ اور باقی $\frac{1}{3}$ بحیثیت عصبہ)۔

تشریح (د) میں گزر چکی ہے۔ غرض اخوہ محروم نہیں ہوں گے۔ اولاد کی موجودگی میں تو (جب کہ والدین بھی موجود ہوں) اخوہ یقیناً محروم ہونگے۔ لیکن جب اولاد موجود نہ ہو اور والدین موجود ہوں تو اخوہ کی وہی پوزیشن ہو گی جو اولاد کی موجودگی میں باپ کی ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم (ی) میں واضح کرچکے ہیں اُسے پھر دیکھ لیجئے۔

(۳) آیہ ۱۲ میں اخٌ او اختٌ کے معنی عام طور پر اخیافی یعنی مادری بہن بھائی لئے گئے ہیں۔ حالاں کہ یہ حقیقی بہن بھائی کے لئے ہے۔ پدری یا مادری اخوہ صرف اس صورت میں وارث ہو سکتے ہیں جب کہ عینی و حقیقی یعنی سگے اخوہ نہ ہوں۔ آیہ ۶ کے بعد آیہ ۷ تا ۱۰ میں بطور جملہ معترضہ سببی وارثوں یعنی زوجین کا ذکر آ گیا اُس کے بعد وہی نسبی وارثوں کا ذکر چل پڑا ہے۔ اولاد اور والدین کا ذکر تو اوپر ہو چکا اور ان کے حصے بھی بتا دیئے گئے۔ ۷ میں

اخوہ کا ذکر تو آگیا تھا لیکن ان کا حصّہ نہیں بتایا گیا تھا۔ یہاں آیہ ۱۱ و ۱۲ میں ان کا حصّہ بھی بیان کر دیا گیا۔ اولاد نہ ہونے کی شکل میں اخوہ کی دو ہی حالتیں ہو سکتی تھیں۔ ایک اصول (یعنی احد الوالدین) کی موجودگی دوسرے اصول کی غیر موجودگی، پہلے آیہ ۱۱ و ۱۲ میں اوّل صورت کو بیان کیا گیا ہے۔ اور پھر ۱۳ تا ۱۶ میں دوسری صورت کو واضح کیا گیا ہے۔ اس کی ترتیب اور حصّے کی بالکل وہی شکل ہے جو اولاد کی موجودگی میں اصول کی گذر چکی ہے۔ یعنی پہلے آیہ ۴ میں اولاد کی موجودگی میں والدین کا حصّہ بتایا پھر ۵ میں اولاد کی غیر موجودگی میں ان کا حصّہ بیان کیا۔ پھر دیکھئے والدین کا جو حصّہ اولاد کی غیر موجودگی میں بیان ہوا ہے وہی حصّہ اور ان ہی الفاظ سے ۱۱ میں اخوہ کا والدین کی موجودگی میں بیان کیا گیا ہے۔ ۱۴ کے الفاظ یہ ہیں۔ ولابویہ لکل واحد منھما السدس مما ترك ان كان له ولد۔ اور ۱۱ کے الفاظ یہ ہیں۔ وان كان رجل يورث كللة او امرأة وله اخ او اخت فلكل واحد منهما السدس دونوں مقامات کے حصّے اور الفاظ ایک ہی ہیں: فلکل واحد منھما السدس:

ان باتوں کے علاوہ اخ او اخت کے معنی مادری بھائی بہن لے لینے میں کئی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً:

(ا) اضافہ فی القرآن کا بلا ضرورت تکلّف بلکہ گناہ بے لذّت من امّ یا لامّ کا لفظ ساتھ نازل فرما دینا اللہ تعالیٰ کیلئے کیا مشکل تھا؟ بعض مفسروں نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ فلاں قرأت میں لامّ یا من امّ بھی موجود ہے۔

(ب) اگر ایک عورت کے ورثا میں شوہر$\frac{1}{2}$، ماں$\frac{1}{6}$، دو مادری بھائی$\frac{1}{3}$ اور دو حقیقی بھائی$\frac{0}{0}$ ہوں تو ہمارے علمائے فرائض کے نزدیک تقسیم یوں ہوگی :

شوہر$\frac{1}{2}$، ماں$\frac{1}{6}$، دونوں مادری بھائی $\frac{1}{3}$ لیں گے۔ اور دونوں حقیقی بھائی محروم ہو جائیں گے۔ ذرا سوچئے کہ مادری بھائی تو ماں سے بھی دوگنا پا لیتے ہیں۔ اور عینی بھائی (ماں کا حصّہ کم کرنے کے باوجود) قطعی محروم ہو جاتے ہیں حالاں کہ ہمارے نزدیک صحیح اصول یہ ہے کہ $\frac{1}{3}$ بجائے مادری بھائیوں کے سگے بھائیوں کو ملنا چاہئے ورنہ الاقرب فالاقرب کا اصول ختم ہو جاتا ہے۔ ہمارے علمائے فرائض چچا کی موجودگی میں یتیم پوتے کو صرف الاقرب فالاقرب کے اصول کی وجہ سے محروم کر دیتے ہیں لیکن یہاں الاقرب فالاقرب کا سارا اصول ختم ہو جاتا ہے اور مادری بھائی حقیقی بھائی کو محروم کر دیتا ہے

بعض حضرات[۱] نے آیہ ۱۱ و ۱۲ کو "عہدی وارثوں" کے متعلق مانا ہے لیکن یہ قرین قیاس نہیں۔

(ہ) کلالہ[۲] کی صحیح تعریف قرآن نے آیہ ۱۳ میں کر دی ہے۔ یستفتونك قل الله يفتيكم في الكللة ان امرؤ هلك ليس له ولد وله اخت الخ یعنی جس کے کوئی اولاد نہ ہو اور بھائی یا بہن موجود ہو وہ کلالہ ہے۔ ایسا شخص اگر مر جائے تو ورثا کی دو

---

[۱] مثلاً مولانا اسلم جیراجپوری مرحوم

[۲] گویا کلالہ کے لئے دو شرطیں ہیں۔ وجودی شرط ہے اخوہ کا ہونا اور عدمی شرط ہے اولاد کا نہ ہونا۔

ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ فقط اطراف[1] ہوں۔ یا والدین[2] بھی ہوں۔ پہلی صورت کو آیات ۴/۱۳ تا ۴/۱۷۶ میں اور دوسری کو ۴/۶ و ۴/۱۱ و ۴/۱۲ میں بیان کردیا گیا ہے۔

یہ بالکل سیدھی سی بات ہے۔ لیکن عام طور پر "کلالہ" کے معنی غلط سمجھے گئے ہیں یعنی کلالہ اسے بتایا گیا ہے جس کے نہ اولاد ہو اور نہ والدین ہوں۔ اس غلط تعریف کی وجہ سے آیات ۴/۱۱ و ۴/۱۲ اور آیات ۴/۱۳ تا ۴/۱۷۶ میں صریحاً تناقض پیدا ہوگیا، کیونکہ پہلی کلالہ کے اطراف کا حصّہ فقط ۱/۶ اور ۱/۳ بتایا گیا ہے۔ اور دوسری جگہ سارے ترکے کا مالک، کلالہ کے اطراف کو بتایا گیا ہے۔ اس تناقض کو علمائے فرائض نے یوں دور کیا ہے کہ پہلی جگہ (آیہ ۴/۱۱ و ۴/۱۲ میں) تو مادری بہن بھائی کا ذکر ہے۔ اور دوسری جگہ (آیہ ۴/۱۳ تا ۴/۱۷۶) حقیقی اخوہ کا ذکر ہے۔

غالباً یہ مغالطہ ابتداءً یوں ہوا ہوگا۔ کہ آیہ ۴/۶ اور آیہ ۴/۱۱ کے درمیان آیہ ۴/۷ تا ۴/۱۰ زوجین کا ذکر بطور جملہ معترضہ آگیا ہے۔ اس وجہ سے آیہ ۴/۶ اور ۴/۱۱ کے درمیان کوئی ربط نظر نہ آیا۔ حالاں کہ آیہ ۴/۱۱ کا واؤ عطف اس ربط کی بڑی صاف نشاندہی کررہا ہے۔ اس ربط کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ آیہ ۴/۶ میں جو اخوہ کا ذکر آنے کے باوجود ان کا حصّہ نہیں بتایا گیا۔ وہ اس لئے کہ والدین کی موجودگی میں وہ حصّہ پاتے ہی نہ ہونگے۔ پس آیہ ۴/۱۱ و ۴/۱۲ میں بھائی بہن کا جو حصّہ بیان کیا گیا ہے وہ یقیناً والدین کی غیر موجودگی میں ہی ہوتا ہوگا۔ لہٰذا جس کلالہ کا آیہ ۴/۱۱ میں ذکر ہے وہ یقیناً "بے والدین" ہوا کرتا ہے یہ طے کرنے کے بعد جب دیکھا کہ کلالہ کے اطراف کا حصہ آیہ ۴/۱۱ و ۴/۱۲ میں کچھ اور ہے اور آیہ ۴/۱۳ تا ۴/۱۷۶ میں کچھ اور، تو اس تناقض کو یوں دور کردیا کہ یہاں مادری اطراف مراد ہیں اور وہاں حقیقی یا پدری۔ لیکن بات پھر بھی نہیں بنتی جیسا کہ (۳ ب) میں ہم ابھی بتا چکے ہیں۔ بعض صورتوں میں یہ مادری اخوہ حقیقی اخوہ کو محروم کردیتے ہیں اور الاقرب فالاقرب کی اصولی عمارت دھڑام سے زمین پر آگرتی ہے۔ دیکھیے ایک بنیادی غلطی یعنی کلالہ کی غلط تعریف سے تہ بہ تہ غلطیوں کا انبار لگتا چلا گیا۔ اور "تا ثریا مے رود دیوار کج" کا مصداق ہوکر رہ گیا۔ بہرکیف ہم کلالہ کے وہی معنی صحیح سمجھتے ہیں جس کی طرف قرآن نے بہت صاف اور واضح اشارہ فرمادیا ہے۔ اس کے علاوہ لغات میں اور بھی جو آٹھ دس معانی لکھے ہیں وہ تاثرات ہیں غلط روایات کے۔ کم از کم وہ قرآنی اصطلاح نہیں۔

(۵) آیہ ۴/۱۲ میں فھم شرکاء فی الثلث کے معنی یہ بتائے جاتے ہیں کہ جب یہ (بزعم علمائے فرائض) مادری بھائی بہن ایک (یا دو) سے زیادہ ہوں تو وہ بلاتمیز عورت و مرد سب کے سب شریک ہونگے۔ یعنی ان میں للذکر مثل حظ الانثیین کا اصول نہیں جاری ہوگا۔ شرکاء کے یہ معنی صحیح نہیں معلوم ہوتے۔ "مرد کو دو عورتوں کے برابر" کا اصول ہر جگہ جاری ہوگا۔ بجز اس جگہ کے جہاں اللہ تعالیٰ نے خود واضح کردیا ہو۔ مثلاً آیہ ۴/۶ اور ۴/۱۱ میں مرد و عورت دونوں کے حصّے کی لکل واحد منھما السدس فرماکر تصریح کردی۔ قرآن کریم میں ہے: ام لھم شرکاء[5]۔ یہاں شرکاء سے مراد ہرگز ایسے شرکاء نہیں۔ جو باطل خدائی میں بالکل برابر کے شریک

---

[5] یعنی کیا ان کے یہ باطل خدا اللہ کے شریک ہیں!

ہوں ۔اور کوئی چھوٹا بڑا نہ ہو۔ اگر کھانے میں کوئی کسی کے ساتھ شریک ہو جائے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ دونوں وزن میں یا لقموں میں یا نوعیت طعام میں بالکل برابر کے شریک ہیں۔ وارث ہونے کے معنی ہیں اپنا حصّہ پالینا خود دوسرا وارث اتنا ہی پائے یا زیادہ یا کم۔ پس جب کلالہ کے والدین کی موجودگی میں کلالہ کا صرف ایک بھائی یا ایک بہن یا دونوں ہونگے تو کسی کا حصّہ $\frac{1}{6}$ سے زیادہ نہیں ہوگا۔ لیکن جب زیادہ ہونگے تو للذکر مثل حظ الانثیین کا اصول جاری ہوگا۔ بشرطیکہ زن و مرد دونوں ہوں۔ ورنہ برابر برابر کی تقسیم ایک ہی جنس کے مختلف افراد میں تو مسلّم ہے ہی۔ خاکے میں یہ تصریح نمایاں نہیں ہے۔ مگر خاکہ ۳ میں اسے داخل سمجھئے۔

عول و ردّ ۔اجزا جب اپنے مخرج سے بڑھ جائیں تو مخرج کو بڑھا کر اجزا کے برابر کرنے کو عول کہتے ہیں۔ تقسیم ترکہ تو یوں ہونی چاہئے کہ جو ذو اضعاف اقل (یعنی L.C.M) ہو اسی کے عین برابر سارے حقداروں کے حصّے بھی ہو جائیں فرق نہ رہے مثلاً وارث ماں، باپ اور دو بیٹیاں ہوں تو تقسیم یوں ہوگی۔ ماں کو $\frac{1}{6}$ باپ کو $\frac{1}{6}$ اور بیٹیوں کو $\frac{2}{3}$ سب کو جمع کیجئے تو $\frac{1+1+4}{6} = \frac{6}{6}$ ہوگا۔ دیکھئے یہاں مقسوم و مقسوم علیہ مساوی ہیں۔ لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مقسوم (یعنی اوپر والا عدد) سے زیادہ یا کم ہو جاتا ہے۔ اجزائے تقسیم وہی اوپر والا عدد ہوگا۔ خواہ کم ہو یا زیادہ۔ اگر وہ مقسوم علیہ سے زیادہ ہو جائے تو اسے "عول" کہیں گے۔ اور اگر کم رہ جائے تو اسے "رد" کہیں گے۔ یوں سمجھئے کہ جیسے وارث ایک خاوند اور دو سگی بہنیں ہیں تو ان کا حصّہ یوں ہوگا۔ شوہر $\frac{1}{2}$ اور بہنیں $\frac{2}{3}$ اب دونوں کو جمع کیجئے تو $\frac{3+4}{6} = \frac{7}{6}$ تو اب مسئلہ (سہام) ٦ سے نہیں ہوگا بلکہ ۷ سے ہوگا جس میں تین حصے شوہر کے اور ۴ بہنوں کے ہوں گے۔ اس کو کہتے ہیں عول اور رد اسی کا عکس ہے۔ مثلاً وارثوں میں صرف ماں ہے اور دو بیٹیاں تو تقسیم سہام یوں ہوگی۔ ماں کو $\frac{1}{6}$ اور بیٹیوں کو $\frac{2}{3}$ لیکن اسے جمع کیجئے تو $\frac{1+4}{6} = \frac{5}{6}$ ہوگا۔ اب تقسیم کا مسئلہ ٦ سے نہیں ہوگا بلکہ ۵ سے ہوگا جس میں سے ماں کو ایک حصہ اور بیٹیوں کو ۴ حصے ملیں گے عول کی مذکورہ مثال میں $\frac{1}{6}$ کی مزید ضرورت تھی اور رد والی مثال میں $\frac{1}{6}$ کی بحث ہو رہی تھی۔ لہذا عول میں ہر ایک حقدار کے حصے میں اتنی کمی کی گئی کہ حصہ برابر ہو جائے۔ اور $\frac{7}{8}$ کی بجائے $\frac{7}{7}$ ہو جائے اور رد میں ہر ایک حقدار کے حصے میں اضافہ کیا گیا تا $\frac{5}{6}$ کی جگہ $\frac{5}{5}$ ہو جائے۔ اس سے زیادہ سمجھانا ہمارے لئے مشکل ہے۔

ہاں ایک بات ضرور یاد رکھئے کہ رد صرف اس وقت ہوتا ہے جب کوئی عصبہ موجود نہ ہو۔ بعض حضرات عول کو صحیح نہیں سمجھتے۔ شیعہ حضرات بھی عول کے قائل نہیں۔ بجز بعض مقامات کے لیکن رد کو سب مانتے ہیں۔ حالاں کہ رد محض عکس ہے۔ بعض مفکرین نے عول سے بچنے کی اور راہ نکالی ہے کہ زوجین کا حصہ پہلے نکال دیا جائے اس کے بعد باقی کو کل ترکہ مان کر دوسرے ورثہ میں حصّے تقسیم کر دیا جائے۔ فی الواقع یہ اصول ایسا ہے کہ اس میں

---

[۱] مثلاً خواجہ احمد دین صاحب امرتسری۔ مگر علامہ تمنا عمادی نے "عول کا حصول" ایک پر مغز مقالہ لکھا ہے اور وہ عول کے قائل ہیں لیکن ہم خواجہ صاحب کے ہی مسلک کو پسند کرتے ہیں۔

عول کی کوئی ضرورت نہیں پڑ سکتی۔ زوج کے حصے اور مقدار کا بیان ہی تمام دوسرے ورثہ سے الگ انداز کا ہے اس لئے زوج کا حصہ پہلے ہی الگ کر دینا چاہئے۔ ایک اور لطف کی بات یہ ہے کہ اگر والدین کے ساتھ زوج (میاں یا بیوی) وارث ہو تو علمائے فرائض کے نزدیک پہلے زوج (بیوی یا میاں) کا حصہ نکالا جائے گا اس کے بعد بقیہ کا ثلث (⅓) ماں کو ملے گا۔ اس خاص جزیئے میں ایسا کیوں ہوتا ہے اور یہی صورت ہر موقع پر کیوں اختیار نہیں کی جا سکتی؟ یہ ہے غور طلب اور جواب طلب سوال۔ بہر حال پہلے زوج کا حصہ نکال دینے کے بعد پھر عول کا کوئی سوال نہیں باقی رہتا۔ ہماری رائے میں اسے ضرور رائج کر دینا چاہئے۔

نوٹ۔ ہم نے ابھی بتایا ہے کہ جب بچا ہوا ترکہ لینے والا کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو بقیہ ترکے کو ان ہی اصحاب فرائض پر رد کر دیتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہے کہ اوّل درجے کے عصبہ فرزند ہیں دوم درجے کا باپ اور سوم درجے کے بھائی۔ اصل عصبہ تو مرد ہی ہوتے ہیں۔ مردوں میں بھی صرف وہ جس کی نسبت میت کی طرف بے واسطہ مونث ہو اسی کو عصبہ بالذات کہتے ہیں۔ بے واسطہ مونث کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً نانا ہے تو وہ عورت یعنی ماں کے واسطے سے ہے نواسہ بیٹی کے واسطے سے ہے۔ بخلاف دادا یا پوتے کے پس اگر فرزند، باپ یا بھائی کوئی بھی موجود نہ ہو تو اصحاب فرائض کو دینے کے بعد جو کچھ بھی بچے گا۔ وہ کوئی عصبہ بالذات لے لے گا جو مرد ہی ہوگا اور بلا واسطۂ مونث ہوگا۔ الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے فقہائے وہ عصبات یوں بتائے ہیں۔ پسر اور پسر در پسر پھر پدر در پدر، پھر حقیقی بھائی پھر پدری بھائی پھر ان بھائیوں کی اولادِ نرینہ پھر حقیقی چچا پھر علاتی چچا پھر ان دونوں چچاؤں کی اولادِ نرینہ پھر باپ کا چچا، پھر دادا کا چچا .... الخ

ان کے علاوہ جو عورتیں کبھی عصبہ ہو جاتی ہیں وہ صرف دو ہیں ایک وہ عورت جو اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہے اسے عصبہ بالغیر کہتے ہیں اور دوسری وہ عورت جو کسی دوسری عورت کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہے اسے عصبہ مع الغیر کہتے ہیں۔ ہم نے (ھ) میں ان ہی دونوں کو علی الترتیب عصبہ کلی اور عصبہ جزئی سے تعبیر کیا ہے۔ بیٹی، پوتی اور بہن کے سوا عورتوں میں کوئی عصبہ نہیں ہوتا۔ صاحب فرض عورتوں میں صرف یہی تین ہیں جو کبھی عصبہ ہو جاتی ہیں دوسری عورتیں مثلاً ماں یا بیوی کبھی عصبہ نہیں ہوتی مردوں میں زوج کبھی عصبہ نہیں ہوتا۔

آخر میں ایک چیز اور بھی صاف کر لینی چاہئے جس کا ذکر ہم نے (ک) کے حاشیے پر کیا ہے عموماً بعض لوگوں کو یہ بات کھٹکتی ہے کہ عورت کا حصہ مرد سے نصف کیوں رکھا گیا ہے۔ یعنی وارث اگر صرف ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہو یا فقط باپ ماں ہوں یا فقط بھائی بہن ہوں تو ہر صورت میں مرد کو دو حصے اور عورت کا ایک حصہ ہوتا ہے بلکہ زوجین کے حصوں میں بھی یہی ایک اور دو کا تناسب رکھا گیا ہے۔ بظاہر یہ عورتوں کی حق تلفی اور مساوات حقوق کے خلاف معلوم ہوتا ہے لیکن معمولی غور و فکر سے بھی یہ چیز دور ہو سکتی ہے دیکھئے اگر آپ ایک شخص کو دو

روپے دیں اور دوسرے کو ایک روپیہ دیں اور دو روپے کا غلہ بھی دیں تو رقم کو دیکھتے ہوئے تو یہی معلوم ہوگا کہ پہلے شخص کو زیادہ اور دوسرے کو کم حصہ ملا ہے لیکن حقیقتہً دوسرے کو پہلے سے زیادہ دیا گیا ہے۔ بعینہٖ یہی شکل تقسیم وراثت میں بھی ہے فرض کیجئے ایک شخص تیس ہزار روپے چھوڑ کر مرتا ہے وارث ایک فرزند خالد اور دختر ہندہ ہیں دونوں شادی شدہ ہیں۔ اور دونوں کے چار چار بچے ہیں۔ تو تقسیم یوں ہوگی کہ خالد کو بیس ہزار اور ہندہ کو دس ہزار روپے ملیں گے۔ اب دیکھئے خالد اپنے بیس ہزار کو اپنی ذات پر، اپنی بیوی پر، اور اپنے چار بچوں پر۔ گویا چھ افراد پر خرچ کرے گا۔ بخلاف اس کے ہندہ کے دس ہزار روپے کی تنہا مالکہ اکیلی ہندہ ہی ہے اس پر کسی کی ذمے داری نہیں۔ سب کی کفایت کا بوجھ ہندہ کے شوہر پر ہے۔ وہی شوہر اپنا بھی ذمے دار ہے اپنی بیوی ہندہ کا بھی، اور اپنے چاروں بچوں کا بھی۔ گویا ہندہ کے دس ہزار روپے درحقیقت مفت کے ہیں۔ دیکھنے میں ہندہ کا حصّہ خالد کے حصّے سے کم اور آدھا معلوم ہوتا ہے لیکن دراصل خالد کی رقم چھ پر تقسیم ہو جاتی ہے۔ اور ہندہ کی رقم صرف ہندہ ہی کی ذات کے لئے ہے۔ اس لئے یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ عورت کو مرد سے آدھا دلوایا گیا ہے۔ یہ آدھا نہیں بلکہ حقیقتہً زیادہ دلوایا گیا ہے۔ اور صنفِ نازک کی یہ رعایت ہونی بھی چاہئے تھی۔ ہاں، ایسا ہو سکتا ہے کہ خالد کمانے والا ہو یا لاولد یا قلیل الاولاد ہو۔ اور ہندہ بیوہ ہو اور کثیر الاولاد ہو۔ اور اسے کوئی کفیل شوہر نہ مل سکا ہو یا ملنے کی توقع کسی وجہ سے نہ ہو غرض کسی نہ کسی وجہ سے وہ خالد سے زیادہ کی مستحق ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے قانون کا یہ منشا نہیں کہ ایسی حالت میں بھی ضرور حاجت مند کو کم دو اور غنی کو زیادہ دو۔ اسی ضرورت کے لئے وصیت کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے کہ مرنے والا حسب ضرورت زندگی ہی میں تقسیم کر جائے ورنہ پختہ وصیت کر جائے۔

یہ بھی یاد رکھئے کہ یہ قانونِ وراثت اور فقہی قانون زکوٰۃ وغیرہ خود مقصود نہیں بلکہ یہ سارے معاشی قانونِ تقسیم انسانیت کو ایک ایسی منزل کی طرف لے جانے کے لئے ہیں جہاں ان قوانین کی ضرورت ہی ختم ہو جاتی ہے۔

طب العرب

مصنفہ حکیم نیّر واسطی

قیمت چھ روپے

بیدل

مصنّفہ خواجہ عباد اللہ اختر

قیمت چھ روپے ۸ر

ادارۂ ثقافت اسلامیہ - ۲ کلب روڈ - لاہور